فیض احمد فیض: بحیثیت انقلابی شاعر

ڈاکٹر سورج دیو سنگھ
صدر، شعبہ اردو، مگدھ مہیلا کالج
پٹنہ یونیورسٹی، پٹنہ

یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گذیدہ سحر وہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں

واقعی یہ وہ سحر تو نہیں ہی ہے جس کا انتظار نہ صرف فیض احمد فیض کو تھا بلکہ غلامی کی بیڑیوں میں جکڑے ہندو پاک کے عوام کو بھی تھا۔ فیض اپنے عہد اور زمانے کی حقیقی تصویر کو بالکل اسی انداز میں پیش کرتے ہیں جس سے عوام دوچار ہے۔ انگریزوں سے آزادی تو ملی لیکن یہ کیسی آدھی ادھوری آزادی ہے جس میں نہ تو کھل کر بولنے کی آزادی ہے اور نہ اپنے طریقے سے زندگی جینے کی چھوٹ ہے۔ تمام چیزوں پر پابندی آید کر دی گئی ہے۔ ظاہر ہے اسی زباں بندی کی طرف واضح اشارہ کرتے ہوئے فیض کہتے ہیں کہ:-

مطاعِ لوح و قلم چھن گیے تو کیا غم ہے
کہ خونِ دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے
زباں پہ مہر لگی ہو تو کیا کہ رکھ دی ہے
ہر ایک حلقہ زنجیر پہ زباں میں نے۔

امرسن رالف والڈو ایک جگہ لکھتا ہے (I Dip My Pen in th Blackest ink, because I am not afraid of Falling into my Inkpot.) بالکل اسی طرح انگریزی زبان کا شاعر اور ناقد سر فلپ سڈنی لکھتا ہے کہ (I Dip My Pen into My Heart and I Write) مذکورہ بالا دونوں بیانات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فیض احمد فیض ان دونوں سے بے حد متاثر تھے۔

ہر شاعر اور ادیب اپنے عہد اور زمانے کی سچی اور حقیقی عکاسی پیش کرتا ہے۔ ظاہر ہے فیض بھی اردو شاعری میں اپنے عہد اور زمانے کی نہ صرف پوری عکاسی کرتے نظر آتے ہیں بلکہ اپنی شاعری کے ذریعے نئی چیزوں کی دریافت بھی کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ غزل کے شاعر ہیں یا نظم کے یہ ایک بحث طلب موضوع ہے لیکن انھیں غزل اور نظم دونوں میں یکساں طور پر قدرت حاصل ہے۔

فیض ملکی مسائل بطورِ خاص کسانوں، مزدوروں اور محنت کشوں سے بے حد ہمدردی رکھتے تھے اور شاید یہی وجہ ہے کہ وہ سامراجی نظام کے خلاف بڑی شدّت سے آواز بلند کرتے نظر آتے ہیں۔ انھوں نے روایات سے محض اتنا ہی ہٹنے کی کوشش کی ہے جتنا اپنے خیالات کے اظہار کے لئے ضروری سمجھا ہے۔ فیض کی شاعری کے متعلق ن۔م۔ راشد لکھتے ہیں:-

''عہد حاضر کے شاعروں میں فیض تنہا شاعر ہے جو اپنے تصورات سے خالص حسن کا ایک دلکش بہشت پیدا کرنا چاہتا ہے، لیکن جس نے حسن اور رومان کے سنہری پردوں کے اس پار حقیقت کی ایک جھلک بھی دکھائی ہے۔''

پروفیسر آل احمد سرور فیض کے بارے میں لکھتے ہیں:-

''فیض کی شاعری میں انگریزی ادب کے ایک خوشگوار اثر، جدید انسان کے ذہن اور ایشیائی تہذیب کے قابلِ قدر عناصر کی ایک قوس قزح جلوہ گر ہے۔''

اسی طرح ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:-

''فیض کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کے خیالات کی سنجیدگی، شخصیت کا توازن اور شعری اعیدال ہے۔''

فیض کی شاعری کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ انھوں نے اپنی شاعری میں قدیم شعرا کا وزن اور فنکارانہ کمال کو بھی شامل کیا ہے اور نئی زندگی کی بے چینی، بے بسی اور انقلابی حوصلہ کو بھی اپنے ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیا ہے۔ فیض، میر تقی میر کی طرح چھوٹی چھوٹی بحروں میں بڑی سے بڑی بات کو بڑے خوبصورتی کے ساتھ بیان کر دینے کا ہنر خوب جانتے ہیں۔ ان کو ترقی پسند شعرا میں نہ صرف مقبولیت حاصل ہے بلکہ انھوں نے ترقی پسند تحریک سے فیضان حاصل کر کے بڑی بے باکی، بے خوفی اور خوبصورتی سے جمہوریت، آزادیِ خیال اور دنیا میں امن و آمان

کی حفاظت کی خاطر نظمیں، غزلیں اور مضامین بھی لکھتے رہے ہیں۔ بقول مجروح سلطان پوری ''فیض احمد فیض ترقی پسندوں کے میر تقی میر تھے۔'' فیض کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:-

رات یوں دل میں تری کھوئی ہوئی یاد آئی جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آجائے

جیسے صحراؤں میں ہولے سے چلے بادِ نسیم جیسے بیمار کو بے وجہ قرار آجائے۔

فیضؔ نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ غزل کا دامن اتنا وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ اس میں ہر طرح کے موضوعات پر خیال آرائی کی جاسکتی ہے اور غزل میں اتنی طاقت وقوت ہے کہ وہ ہر زمانے کے تقاضے کا ساتھ دینے کی صلاحیت بھی اپنے اندر رکھتی ہے۔ فیض کی ایک نظم نما غزل ''طوق ودار کا موسم'' سے چند اشعار ملاحظہ ہو۔

روش روش ہے وہی انتظار کا موسم

نہیں ہے کوئی بھی موسم بہار کا موسم

یہ دل کے داغ تو دُکھتے تھے یوں بھی پر کم کم

کچھ اب کے اور ہے ہجرانِ یار کا موسم

یہی جنوں کا، یہی طوق ودار کا موسم

یہی ہے جبر، یہی اختیار کا موسم

قفس ہے بس میں تمہارے، تمہارے بس میں نہیں

چمن میں آتشِ گل کے نکھار کا موسم

فیض کی شاعری پر جب ہم غور کرتے ہیں تو دیکھتے ہیں کہ امّید وانتظار کی کیفیت ان کے یہاں بنیادی تخلیقی کیفیات کی حیثیت رکھتی ہے۔ مثال کے طور پر وپر پیش کردہ نظم میں استعمال ہونے والے چند قلیدی الفاظ پر غور کریں۔ مثلاً روش، بہار، موسم، دل کے داغ، ہجرانِ یار، جبر واختیار، جنوں، طوق ودار قفس، چمن اور آتشِ گل وغیرہ جیسے الفاظ، تراکیب اور تصورات غزلیہ شاعری کی یاد ضرور دلاتے ہیں لیکن یہاں انتظار کا موسم یا بہار کا موسم رومانی شاعری سے اوپر اٹھ کر ایک الگ سماجی اور سیاسی معنیاتی نظام رکھتے ہیں۔ طوق ودار کی رعایت سے اب جنوں، حبّ الوطنی، سامراج دشمنی یا عوام دوستی کی ترجمانی کرتا ہے۔ جبر واختیار کے معنی کی بھی تقلیب ہوگئی ہے۔ اب قفس قید کی کوٹھری یا زنداں ہے۔ ان کی ایک مشہور نظم 'تنہائی' کا بند ملاحظہ ہو:-

پھر کوئی آیا دلِ زار! نہیں کوئی نہیں
راہرو ہوگا، کہیں اور چلا جائیگا
ڈھل چکی رات، بکھرنے لگا تاروں کا غبار
لڑکھڑانے لگے ایوانوں میں خوابیدہ چراغ
سوگئی راستہ تک تک کے ہر اک راہگذر
اجنبی خاک نے دھندلا دیے قدموں کے سراغ
گل کرو شمعیں بڑھا دو مے و مینا و ایاغ
اپنے بے خواب کیواروں کو مقفل کرلو
اب یہاں کوئی نہیں، کوئی نہیں آئے گا۔

عام طور پر بڑا شاعر یا تو کسی روایت کا خاتم ہوتا ہے یا کسی طرز نو کا موجد۔ فیض انھیں میں سے ایک بڑا نام ہے۔ بیسویں صدی میں فیض کی شاعری نے اپنی حیثیت کو آہستہ آہستہ منوایا ہے۔ علامہ اقبال کے بعد فیض واحد شخصیت ہیں جن کی اہمیت کا بالعموم اعتراف کیا گیا ہے۔ اردو شاعری کے افق پر فیض کے معاصرین میں کئی دوسرے اہم شخصیتیں بھی ہیں لیکن ان میں سے کسی کو وہ مقبولیت اور ہر دلعزیزی نصیب نہیں ہوئی جو فیض کے حصے میں آئی۔ فیض کی شاعری کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو جاتا ہے کہ ان کا ڈکشن غالب اور اقبال کے ڈکشن کی توسیع ہے۔ فیض کی تمام لفظیات فارسی اور کلاسیکی شعری روایات کی لفظیات سے مستعار ہے یا پھر اس کا ایک حصہ ایسا ہے جو تمام ترقی پسند شاعروں کے تصرف میں رہا ہے جس میں فیض کی اپنی کوئی انفرادیت نہیں۔ فیض کی شاعری میں کچھ ایسی نرمی اور دل آویزی، کچھ ایسی کشش اور جاذبیت، کچھ ایسا لطف و اثر، کچھ ایسی دردمندی اور دل آسائی اور کچھ ایسی قوتِ شفا ہے جو ان کے معاصرین میں کسی کے حصے میں نہیں آئی۔

فیض کی شاعری پر نظر ڈالیں تو آپ دیکھیں گے کہ یوں تو ان کی شاعری کے کمالِ فن کے کئی پہلو ہیں لیکن ان میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ وہ انقلابی فکر کو جمالیاتی احساس سے اور جمالیاتی احساس کو انقلابی فکر سے الگ نہیں ہونے دیتے۔ بلکہ اپنے تخلیقی لمس سے دونوں کو آمیز کر کے ایک ایسی شعری لذّت اور کیفیت کو خلق کرتے ہیں جو مخصوص جمالیاتی شان رکھتی ہے اور جس کی نظیر عہدِ حاضر کی اردو شاعری میں نہیں ملتی۔ فیض کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے پروفیسر گوپی چند نارنگ کہتے ہیں:-

''فیض کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے انقلابی آہنگ پر جمالیاتی احساس کو اور جمالیاتی احساس پر انقلابی آہنگ کو قربان نہیں کیا بلکہ ان دونوں کی آمیزش سے ایک نیا شعری رچاؤ پیدا کیا۔ ان کی شاعری میں جو دلاویزی، دل آسائی، نرمی اور قوتِ شفا ہے وہ اس عہد کے کسی دوسرے شاعر کے یہاں نہیں ملتی۔'' ادبی تنقید اور اسلوبیات، صفحہ ۱۸۲

فیض احمد فیض کے کلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ پیچیدہ ترکیبوں اور مشکل فارسی الفاظ کا استعمال کئے بغیر اپنے کلام میں جو معنویت اور گہرائی پیدا کر دیتے ہیں وہ ہر کسی کے لیے ممکن نہیں اور معنویت اور گہرائی بھی ایسی جس میں تاثیر ہوتی ہے۔ خواہ ان کے مجموعہء کلام میں نقشِ فریادی ہو یا دستِ صبا، زنداں نامہ ہو یا دستِ تہِ سنگ، سرِ وادیِ سینا ہو یا شامِ شہر یاراں، مرے دل مرے مسافر ہو یا غبارِ ایّام ہر جگہ مذکورہ بالا خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ ان کے تمام مجموعوں کو ایک کلیات کی شکل میں 'نسخہ ہائے وفا' کے نام سے شائع کیا جا چکا ہے۔ فیض کم سے کم الفاظ میں زیادہ سے زیادہ معنی پیدا کرنے کا ہنر بخوبی جانتے ہیں۔ مثال کے طور پر چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:-

ہم پرورشِ لوح و قلم کرتے رہیں گے　　جو دل پہ گزرتی ہے رقم کرتے رہیں گے
اسبابِ غمِ عشق بہم کرتے رہیں گے　　ویرانیِ دوراں پہ کرم کرتے رہیں گے
ہاں تلخیِ ایّام ابھی اور بڑھے گی　　ہاں اہلِ ستم، مشقِ ستم کرتے رہیں گے

وہ بات سارے فسانے میں جس کا ذکر نہ تھا، وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے۔
چمن پہ غارتِ غلچیں سے جانے کیا گزری، عجیب رنگ میں اب کے بہار گزری ہے۔
گلوں میں رنگ بھرے بادِ نوبہار چلے، چلے بھی آؤ کہ گلشن کا کاروبار چلے۔

فیض کا اسلوبِ شاعری علامتوں اور پرچھائیوں میں عیاں ہوتا ہے۔ وہ تشبیہہ و استعارے کے سہارے صاف اور سلیس زبان میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی نظموں میں پرامید اور طاقتور جدّت کا احساس ہوتا ہے۔ فیض نے غمِ عشق اور غمِ روزگار کو مردانہ وار اٹھایا ہے اور اس کے حسین امتزاج سے اپنی شاعری میں دلکشی و دلآویزی پیدا کر دی ہے۔ ان کے یہاں تیرگی، تاریکی، زنجیر، قفس، سلاسل، روزن اور تنہائی وغیرہ جیسے الفاظ کا تذکرہ بار بار ہوتا ہے۔ ان کی نظم 'اے دلِ بے تاب ٹھہر' سے چند بند ملاحظہ فرمائیں۔

تیرگی ہے کہ اُمنڈتی ہی چلی آتی ہے　　شب کی رگ رگ سے لہو پھوٹ رہا ہو جیسے
چل رہی ہے کچھ اس انداز سے نبضِ ہستی　　دونوں عالم کا نشہ ٹوٹ رہا ہو جیسے
رات کا گرم لہو اور بھی بہ جانے دو　　یہی تاریکی تو ہے غازہ رخسارِ سحر
صبح ہونے ہی کو ہے اے دلِ بے تاب ٹھہر

ابھی زنجیر چھنکتی ہے پسِ پردہ ساز　　مطلق الحکم ہے شیرازہ اسباب ابھی
ساغرِ ناب میں آنسو بھی ڈھلک جاتے ہیں　　لغزشِ پا میں ہے پابندیِ آداب ابھی
اپنے دیوانوں کو دیوانہ تو بن لینے دو　　اپنے میخانوں کو میخانہ تو بن لینے دو
جلد یہ سطوتِ اسباب بھی اٹھ جائے گی　　یہ گرانبارِیِ آداب بھی اٹھ جائے گی
خواہ زنجیر چھنکتی ہی، چھنکتی ہی رہے۔

اسی طرح ان کی دوسری نظم 'صبحِ آزادی' کے چند بند پیش خدمت ہے:-

یہ داغ داغ اجالا، یہ شب گذیدہ سحر　　وہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لے کر　　چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل　　کہیں تو ہوگا شبِ سست موج کا ساحل
کہیں تو جا کے رکے گا سفینۂ غمِ دل

فیض کی شاعری پر روشنی ڈالتے ہوئے فراق گورکھپوری کہتے ہیں:-

''فیض نے ایک نیا مدرسہ شاعری قائم کیا۔ انھوں نے جس بصیرت افروز احساس، خلوص و فنکارانہ چابکدستی سے عشقیہ واردات کو دوسرے اہم مسائل سے متعلق کر کے پیش کیا، یہ اردو کی عشقیہ شاعری میں ایک بالکل نئی چیز تھی اور قابلِ قدر تھی۔''

ان کی شاعری علامتوں کے استعمال سے زمان و مکان سے آزاد ہو کر پورے انسانیت کے فلاح و بہبود کی بات کرتی ہے۔ ان کی شاعری میں پیکر تراشی، تمثیل، علامت نگاری، نغمگی و ترنم کے خوبصورت نمونے ملتے ہیں۔

فیض کا نظریہ حیات اور ان کی فکر وہی ہے جو دوسرے ترقی پسند شعرا کی ہے یعنی ان کے موضوعات دوسرے ترقی پسند شعرا کے موضوعات سے الگ نہیں۔ فیض نے کلاسیکی شعری روایت کے سرچشمہ فیضان سے پورا پورا استفادہ

کیا۔ان کی لفظیات کلاسیکی روایت کی لفظیات ہے لیکن اپنی تخلیقیت کے جادوئی لمس سے وہ کس طرح نئے معنی کی تخلیق کرتے ہیں۔ان کے مجموعہ 'زنداں نامہ' سے ایک نظم جن کا عنوان 'ملاقات' ہے کا ایک بند ملاحظہ فرمائیں:-

یہ رات اس درد کا شجر ہے　　جو مجھ سے، تجھ سے عظیم تر ہے
عظیم تر ہے کہ اس کی شاخوں　　میں لاکھ مشعل بکف ستاروں
کے کارواں، گھر کے کھو گیے ہیں　　ہزار مہتاب، اس کے سائے
میں اپنا سب نور، رو گیے ہیں　　یہ رات اس درد کا شجر ہے
جو مجھ سے، تجھ سے عظیم تر ہے

اس نظم کی بنیاد رات اور صبح کے تصورات پر ہے۔رات درد و غم یا ظلم و بے انصافی کا استعارہ ہے اور صبح کا روشن افق فتحمندی کی نشانی ہے۔تاریکی و روشنی کا یہ تلازمہ اور اس کا سماجی سیاسی مفہوم فکری اعتبار سے کوئی انوکھی بات نہیں۔رات اور صبح کا سماجی سیاسی تصور دنیا بھر کی شاعری میں ملتا ہے اور معنیاتی اعتبار سے غیر معمولی نہیں۔شاعر نے رات کو درد کا شجر کہا ہے جو مجھ سے تجھ سے عظیم تر ہے۔عظیم تر اس لیے کہ اس کی شاخوں میں لاکھوں مشعل بکف ستاروں کے کارواں گھر کے کھو گیے ہیں۔رات، درد اور شجر پرانے لفظ ہیں لیکن شاعر نے اس میں ایک نیا رنگ بھر دیا ہے۔

مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ فیض نے بڑی فنکاری اور چابکدستی کے ساتھ اپنے شاعری کے مقصدی ہونے کے باوجود اسے نہ صرف پروپگنڈہ ہونے سے بچایا ہے بلکہ حسن و عشق کے رنرم، نازک اور دلکش علامتوں کے ذریعے اپنے مقصد کو منظرِ عام پر لانے کا بھی کام کیا ہے۔علامتوں کے استعمال سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ ان کی شاعری زمان و مکان کی حدوں سے اوپر اٹھ کر عالمی نوعیت کی ہوگئی۔اس لئے اگر ان کی شاعری کو آفاقی کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔کیونکہ ان کی شاعری میں انسانیت کی بات کی گئی ہے۔ان کی شاعری کو صرف ہندوستان کے دائرے میں باندھ کر نہیں رکھا جا سکتا ہے۔

کتابیات:-

(۱)　فیض احمد فیض، نسخہ ہائے وفا، ۱۹۹۳ء، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔
(۲)　پروفیسر گوپی چند نارنگ، 'ادبی تنقید اور اسلوبیات'، ۱۹۸۹ء، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی۔
(۳)　سید احتشام حسین، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، ۱۹۸۳ء، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی۔